1 اقتصادی صورتحال

1.1 عمومی جائزہ

مالی سال 2011ء کے ابتدائی حصے میں تباہ کن سیلاب کے باوجود پاکستانی معیشت 2.4 فیصد نمو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ ملک کے اہم زرعی علاقے کا بیس فیصد زیر آب آ گیا جس سے پیداواری عمل میں رکاوٹ ہوئی اور بعد میں لیبر اور سرمائے دونوں کی فراہمی میں تعطل آیا۔ تخمینے کے مطابق پاکستان کی محنت کش افرادی قوت میں 66 لاکھ افراد دو سے تین مہینے تک بیروزگار رہے اور 2.6 ارب ڈالر (جی ڈی پی کا 1.2 فیصد) کا سرمائے کا اسٹاک ضائع ہوا۔[1]

اس تباہی پر بین الاقوامی ردعمل توقعات سے کم تھا مگر یہ بات قابل تعریف ہے کہ حکومت کئی مالیاتی مشکلات کے باوجود ان چیلنجوں سے نمٹنے میں کامیاب رہی۔[2] مزید برآں شعبہ زراعت کی اندرونی لچک کی بنا پر ربیع میں گندم کی زبردست فصل ہوئی اور چھوٹی فصلوں (جیسے آلو، پیاز، دالوں وغیرہ) کی بھی اچھی خاصی پیداوار ہوئی جس سے بحالی میں مدد ملی۔ سماجی کاوشوں اور حکومتی اعانت سے سیلاب کے متاثرین کو نقد کے علاوہ اور مفت بیجوں اور کھاد کی شکل میں امداد ملی جس سے ملک اس قدرتی آفت پر قابو پا سکا۔

بہرحال 2010ء کا سیلاب پاکستان کی معیشت کی ساختی خامیوں کو نہیں چھپا سکتا۔ سہولت کی خاطر ہم چار باہم مربوط مسائل کی نشاندہی کریں گے جن پر پالیسی سازوں کی فوری توجہ درکار ہے، اگر پاکستان کو جمودی گرانی کی موجودہ کیفیت سے نکلنا ہے۔ سب سے پہلا مالیاتی مسئلہ ہے خصوصاً ٹیکس محاصل کا فقدان۔ اس کے بعد ملکی قرضے پر مالیاتی اہداف کی خلاف ورزیوں کے اثرات اور نجی شعبے کے لیے قرضے کی گنجائش نہ رہ جانے کے مسائل ہیں، پھر بجلی کی شدید قلت اور آخر میں بیرونی شعبہ۔

حقیقی پیداوار کا شعبہ

اگرچہ شعبہ زراعت سیلاب پر قابو پا کر 1.2 فیصد حقیقی شرح نمو (جو مالی سال 10ء سے دگنی ہے) حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تاہم اشیا سازی کے شعبے کو سنگین دھچکا لگا۔ م س 11ء میں سیلاب کی وجہ سے سلسلۂ رسد میں رکاوٹ، بجلی کی طویل بندش اور گیس کی فراہمی میں کمی کی بنا پر صنعتی نمو منفی 0.1 فیصد تھی۔ دوسری جانب شعبہ خدمات نے سرکاری تنخواہوں اور دفاعی اخراجات میں اضافے کی وجہ سے نمو کو سہارا دیا۔ م س 11ء میں خدمات کی مجموعی نمو 4.1 فیصد رہی جو 4.7 فیصد کے ہدف سے کم تھی لیکن پھر بھی حقیقی جی ڈی پی نمو میں اس نے 90 فیصد حصہ ڈالا۔ بہرکیف جنوبی ایشیا میں اپنے ہمسایوں کے مقابلے میں پاکستان کی کارکردگی ناقص رہی (**جدول 1.1**)۔ ملکی اور عالمی عوامل دونوں ذمہ دار ہیں لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ ملکی مسائل زیادہ فیصلہ کن اور مزمن ہوتے ہیں۔ ان میں معینہ سرمایہ کاری کا خاتمہ، توانائی کی شدید قلت، شہروں میں تشدد اور لاقانونیت، ناقص طبیعی انفرااسٹرکچر اور اداروں کی خستہ حالی شامل ہیں۔[3] معینہ سرمایہ کاری کے مسئلے پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں سرمایہ کاری کی شرح م س 11ء میں صرف 13.4 فیصد تھی جو م س 74ء سے اب تک پست ترین سطح ہے۔[4] چونکہ یہ معاشی نمو اور

جدول 1.1: حقیقی جی ڈی پی نمو (فیصد)

	چین	بھارت	سری لنکا	بنگلہ دیش	پاکستان
2005ء	11.3	9.0	6.2	6.3	9.0
2006ء	12.7	9.5	7.7	6.5	5.8
2007ء	14.2	10.0	6.8	6.3	6.8
2008ء	9.6	6.2	6.0	6.0	3.7
2009ء	9.2	6.8	3.5	5.9	1.7
2010ء	10.3	10.1	8.0	6.4	3.8
2011ءع	9.5	7.8	7.0	6.3	2.4*

ع: عبوری

* پاکستان اقتصادی سروے سے لی گئی اصل نمو۔

ماخذ: آئی ایم ایف، ڈبلیو ای او، ستمبر 2011ء

---

1 سیلاب سے 2 کروڑ سے زائد افراد بے گھر ہوگئے۔ لیبر فورس کی شرکت کی شرح کو 33 فیصد لیا جائے تو بے گھر ہونے والی ورک فورس کی تعداد 66 لاکھ بنتی ہے۔ سرکاری اور رہائشی عمارات، کاروباری تعمیرات اور مواد، سڑکوں اور ریل کی گذرگاہوں سمیت کیپٹل اسٹاک کو ہونے والے نقصان کا تخمینہ 2.6 ارب ڈالر لگایا گیا ہے (ہکس، ایم جے اور برٹن، ایم ایل، (2010ء)، پریلیمنری ڈیمیج ایسٹی میٹس فار پاکستانی فلڈ ایونٹس، 2010ء سینٹر فار بزنس اینڈ اکنامک ریسرچ، بال اسٹیٹ یونیورسٹی)۔

2 تاہم آئی ایم ایف نے پاکستان کی درخواست پر اپنی 'ایمرجنسی نیشنل ڈزاسٹر اسسٹنس' کے تحت 45 کروڑ 30 لاکھ ڈالر فراہم کیے۔

3 اداروں کی کمزوری کا سبب میرٹ پر تقرریاں نہ ہونا، مسلسل تبادلے اور پوسٹنگز، اہم اداروں کے سربراہوں کا جلدی جلدی تبدیل ہونا اور سرکاری اداروں کے کام میں بیرونی مداخلتیں ہیں۔

4 اس مسئلے پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھئے چوتھا باب۔

جدول 1.2: منتخب معاشی اظہاریے

	م‌س08ء	م‌س09ء	م‌س10ء	م‌س11ء	
				اہداف	اصل
فیصد نمو					
حقیقی جی ڈی پی (عامل لاگت پر)	3.7	1.7	3.8	4.5	2.4
زراعت	1.0	4.0	0.6	3.8	1.2
بڑے پیمانے کی اشیا سازی	4.0	-8.1	4.9	4.9	1.0
خدمات	6.0	1.7	2.9	4.7	4.1
صارف اشاریہ قیمت (م‌س01ء =100)	12.0	20.8	11.7	9.5	13.9
حساس قیمت اظہاریہ (م‌س01ء =100)	14.2	22.7	13.2		17.8
زری اثاثے (زر2)	15.4	9.6	12.5		15.9
نجی شعبے کا قرضہ	16.5	0.6	3.9		4.0
برآمدات (ایف او بی)	12.2	-7.2	9.1		28.6
درآمدات (سی آئی ایف)	30.9	-12.9	-0.3		16.4
ملین امریکی ڈالر					
ترسیلات	6,451.2	7,811.4	8,905.9		11,201.0
سرکاری سیال زرمبادلہ کے ذخائر	11,398.7	12,425.2	16,750.4		18,243.8
فیصد جی ڈی پی					
کل سرمایہ کاری	22.1	18.2	15.4	15.4	13.4
قومی بچت	13.6	12.5	13.1	13.2	13.6
مجموعی محاصل	13.7	13.2	13.8	15.2	12.5
ٹیکس محاصل	9.9	9.8	10.0	11.0	9.4
جاری اخراجات	14.8	12.9	13.6	14.8	16.1
ترقیاتی اخراجات	2.5	1.9	2.1	4.3	2.8
بجٹ خسارہ	7.6	5.3	6.3	4.0	6.6
جاری حسابات کا توازن	-8.5	-5.7	-2.2		0.1
سرکاری قرضہ	60.7	61.6	62.2		60.9
ملکی قرضہ	32.0	30.3	31.4		33.3
بیرونی قرضہ	29.9	32.6	31.6		28.2
بیرونی واجبات	0.9	0.8	1.5		1.2

روزگار کا اولین اظہاریہ ہے اس لیے غیر یقینی کاروباری ماحول (قرضوں کی طلب) اور بینکوں کی جانب سے قرضے دینے میں پس وپیش (رسد) مشترکہ طور پر اس صورتحال کا سبب ہیں۔ اگر پاکستان کی معیشت کو آگے بڑھنا ہے تو آئندہ پالیسی سازوں کو ان مبادیات پر توجہ دینا ہوگی۔

مالیات

م‌س11ء میں پاکستان کی مالیاتی پوزیشن دباؤ میں رہی اور جی ڈی پی کے 6.6 فیصد کے مساوی بجٹ خسارہ ہوا جبکہ ہدف 4.0 فیصد تھا (**جدول 1.2**)۔[5] اس اضافے کا سبب جزوی طور پر سیلاب ہو سکتا ہے تاہم اصل مسئلہ حکومت کا مالیاتی اصلاحات پر عملدرآمد سے اور بعض صورتوں میں تو ضروری قانون سازی کرنے سے بھی قاصر رہنا ہے۔[6]

5 اس میں گردشی قرضے ادا کرنے کی ادائیگی شامل ہے۔

6 م‌س11ء کے آغاز پر حکومت نے سال کے دوران ویلیو ایڈڈ ٹیکس (وی اے ٹی) نافذ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ تاجروں اور بعض پارلیمنٹیرینز کی مخالفت کے بعد اسے ریفارمڈ جی ایس ٹی کا نام دیا گیا۔ آر جی ایس ٹی م‌س11ء کی دوسری ششماہی میں تیار ہوا اور سینیٹ اور قومی اسمبلی دونوں کی مجلس ہائے قائمہ نے منظور کیا۔ مئی 2011ء میں قومی اسمبلی میں آر جی ایس ٹی بل پیش کیا گیا لیکن تب سے اب تک مزید کارروائی نہیں ہوئی۔

آر جی ایس ٹی کا نفاذ، زراعت اور خدمات کی انکم ٹیکس نیٹ میں شمولیت، مرحلہ وار زراعانت کا خاتمہ اور گھاٹے میں جانے والے سرکاری اداروں کی تشکیل نو کو یا تو مؤخر کیا گیا یا پھر عملدرآمد نہیں کیا گیا۔ عارضی نوعیت کے اقدامات جیسے انکم ٹیکس پر سرچارج اور وفاقی ایکسائز ڈیوٹی میں اضافہ ضروری اصلاحات کا متبادل نہ تھے۔ ان اقدامات سے موجودہ ٹیکس گزاروں پر مزید بوجھ پڑ گیا جس سے انہیں ٹیکس نیٹ سے نکلنے کی ترغیب مل سکتی تھی۔ 17 کھرب روپے کے ٹیکس محاصل جمع ہوئے جو سالانہ ہدف سے 160 ارب روپے کم تھے۔ ٹیکسوں میں سال بسال اضافہ نامیہ جی ڈی پی (جو ٹیکسیشن کی اساس ہے) تک کا ساتھ نہ دے سکا، یعنی ٹیکس محاصل حقیقی اعتبار سے کم ہو گئے۔

مثبت امر یہ ہے کہ حکومت م س10ء کے مقابلے میں اپنے اخراجات قابو میں رکھنے میں کامیاب رہی۔ م س11ء میں بجٹ اخراجات جی ڈی پی کے 18.9 فیصد تھے جبکہ پچھلے سال 20.5 فیصد رہے تھے۔ یہ صورتحال مثبت تو ہے تاہم تفصیلات میں جائیں تو احتیاط لازم ہے۔ اوّل، سرکاری شعبے کے ترقیاتی اخراجات متاثرین سیلاب کی آبادکاری اور زرعی سرگرمیاں بحال کرنے کے لیے استعمال کیے گئے۔ ہماری رائے میں ترقیاتی اخراجات میں زیادہ کمی معین سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی کرتی رہے گی جس سے آئندہ نمو کے امکانات کم ہوتے ہیں۔ دوم، وفاقی زراعانت بجٹ میں درج رقم سے تین گنا تھی جس سے یہ ظاہر ہے کہ وسائل صحیح طور پر مختص نہیں کیے جا رہے۔ آخراً، گھاٹے میں جانے والے سرکاری شعبے کے کاروباری ادارے محدود مالیاتی وسائل کو نچوڑ رہے ہیں۔ پاکستان ریلوے، پی آئی اے اور پاکستان اسٹیل اس بات کی کلاسیکی مثالیں ہیں کہ ناقص نظم ونسق سے معیشت کو کتنا بھاری نقصان پہنچتا ہے **(باب 2 میں دیکھیے باکسز 2.4 اور 2.5)**۔

ملکی قرضہ اور نجی شعبے کے لیے گنجائش کا فقدان

بھاری مالیاتی خسارے نے براہ پاکستان کے قرضے کے بوجھ پر اثر ڈالا اور سرکاری قرض اور واجبات (مجموعی خسارے) کا اسٹاک م س11ء میں 1763 ارب روپے بڑھ کر 110 کھرب روپے (جی ڈی پی کا 60.9 فیصد) ہوگیا۔ پچھلے مالی سال میں حکومتی محاصل کا 32.8 فیصد صرف سودی ادائیگیاں تھیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ معاشی نمو کو فروغ دینے کے لیے مالیاتی پالیسی استعمال کرنے کی حکومتی اہلیت مزید گھٹ گئی۔

تاہم پاکستان کا بیرونی قرضہ مناسب ہے خصوصاً یوروزون کو درپیش شدید مسائل کے تناظر میں۔ م س11ء کے دوران زیادہ تر اضافہ کرنسی کی بازقدر پیائی کی بنا پر ہوا کیونکہ دوسری سخت کرنسیوں کے مقابلے میں ڈالر کی قیمت گر گئی۔ م س11ء کے دوران پاکستان کو جو رقوم ملیں وہ زیادہ تر بیرونی قرضوں کی واپسی میں استعمال ہوئیں۔

مالیاتی قرضہ کی مالکاری دشوار تھی اور ابھی تک ہے۔ آئی ایم ایف کے اسٹینڈ بائی ارینج منٹ (SBA) کے تعطل کے بعد بیرون ملک سے رقم کی آمد کم ہو چکی ہے اس لیے حکومت کے پاس ملکی وسائل پر انحصار کرنے کے سوا چارہ نہیں تھا۔ م س11ء کے دوران حکومت نے ملکی وسائل سے 11 کھرب روپے قرض لیے جو مالیاتی خسارے کے 91.0 فیصد کا باعث بنے۔ ملکی وسائل کے اندر کمرشل بینکوں پر اس قدر انحصار سے نہ صرف نجی شعبے کے لیے قرضے کی گنجائش ختم ہوگئی بلکہ زری انتظام میں بھی پیچیدگیاں پیدا ہوئیں کیونکہ بینکوں نے اپنی اضافی سیالیت کے لیے قلیل مدتی ٹی بلز پر زیادہ سے زیادہ توجہ دینی شروع کردی۔

نتیجتاً نجی شعبے کا قرضہ م س11ء میں صرف 4.0 فیصد بڑھا جبکہ کمرشل بینکوں سے حکومتی قرض میں 74.5 فیصد اضافہ ہوا۔ ہمارے خیال میں چونکہ کمرشل بینک حکومت کو پرکشش شرح سے قرضے دے رہے تھے اس لیے نجی کاروبار کو رقم دینے کے لیے ترغیب نہیں رہی۔ کمرشل بینکوں کو اس میں فائدہ نظر آیا کیونکہ سرکاری تمسکات خطرے سے خالی ہوتی ہیں اور خطرۂ قرض کے لیے کسی سرمائے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بہرکیف یہ بات بھی قابل غور ہے کہ نجی شعبے کے قرضے کی طلب بھی کم تھی کیونکہ قرض گیری صرف جاریہ اخراجات تک محدود تھی اور معین سرمایہ کاری میں کوئی دلچسپی دکھائی نہیں دی۔

بدقسمتی سے گنجائش کا یہ خاتمہ متوقع تھا کیونکہ حکومت نے م س11ء کی دوسری ششماہی کے دوران گرانی مرکزی بینک کی مالکاری گریز اختیار کیا۔ گرانی کی توقعات سے نمٹنے کے لیے کمرشل بینکوں کی مالکاری کی جانب رخ کرنا ضروری تھا کیونکہ اسٹیٹ بینک اور وزارت خزانہ کے درمیان (2010ء کے اواخر میں) یہ طے پایا تھا کہ حکومتی قرض کو ستمبر 2010ء کی سطح سے نیچے رکھا جائے۔ تاہم م س11ء کی پہلی ششماہی میں مرکزی بینک کی مالکاری کے مؤخر اثر نے سال بھر گرانی کے دباؤ کو بلند رکھا۔

اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ سیلاب کے اثرات اور اجناس کے عالمی نرخوں سمیت رسدی عوامل کی بنا پر خردہ قیمتیں بھی بڑھ گئیں۔ خاص طور پر غذائی گرانی متاثر ہوئی جس میں ستمبر

2010ء میں 21.3 فیصد سال بسال اضافہ ہوا جبکہ ایک سال قبل اسی مہینے یہ گرانی 10.4 فیصد تھی۔ م س 11ء کی پہلی ششماہی کے دوران غذائی گرانی تقریباً 19 فیصد رہی۔ چونکہ عمومی گرانی بلحاظ صارف اشاریہ قیمت بھی تمام سال دوہندسی رہی (اس سال کے لیے اس کی اوسط 13.7 فیصد تھی[7])، اس لیے اسٹیٹ بینک نے زری سختی اختیار کی اور پالیسی ریٹ کو آخر م س 10ء میں 12.5 فیصد سے بڑھا کر نومبر 2010ء میں 14.0 فیصد کر دیا۔ م س 11ء کی بقیہ مدت کے دوران پالیسی ریٹ برقرار رکھا گیا۔

توانائی

چونکہ پیداوار میں توانائی کلیدی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے زیرِ نظر سالانہ رپورٹ میں پاکستان میں توانائی کی قلت کے جائزے کے لیے ایک پورا باب مختص کیا گیا ہے۔[8] منصوبہ کمیشن کے تخمینوں میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ بجلی کی بندش کی وجہ سے جی ڈی پی کا تقریباً 3 سے 4 فیصد زیاں ہوا ہے اور اشیا سازی کے شعبے پر سب سے زیادہ اثر پڑا ہے۔ توانائی کی کمی سے نمٹنے کے لیے حکومت نے تین اقدامات کیے: (1) بجلی کی پیداوار بڑھانے کے لیے رینٹل پاور پراجیکٹس کا آغاز کیا گیا، (2) اداروں کے مابین گردشی قرضے کے مسئلے کو، جو توانائی کے پیداوار میں رکاوٹ بن رہا تھا، حل کرنے کے لیے حکومت نے 120 ارب روپے جاری کیے، اور (3) پیداوار کی بلند لاگت کو منتقل کرنے کے لیے بجلی کے نرخوں میں اضافہ کیا گیا۔ ان اقدامات کے باوجود مجموعی صورتحال زیادہ تر بدستور رہی۔

ہمارے خیال میں جنریشن بڑھانے کے لیے رینٹل پاور پراجیکٹس شروع کرنا درست نہ تھا کیونکہ گردشی قرضے کے مسئلے کی بنا پر پاکستان میں بجلی نصب شدہ استعداد سے کم استعمال ہورہی ہے۔[9] یہ بھی قابل ذکر ہے کہ حکومت نے (فرنس آئل کی فنڈنگ دوبارہ شروع کرنے کے لیے) جو 120 ارب روپے مہیا کیے تھے وہ مئی 2011ء کی بات ہے۔ یعنی م س 11ء کی بیشتر مدت کے دوران بجلی کے شعبے کے شدید مسائل جوں کے توں رہے۔

باکس 1.1: نظم و نسق کیا ہے؟

نظم و نسق یا گورننس ان روایات اور اداروں پر مشتمل ہوتی ہے جس کے ذریعے کسی ملک میں اختیارات استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس میں حکومتوں کے انتخاب، نگرانی اور ہٹائے جانے کا عمل، مؤثر طور پر مناسب پالیسیاں تشکیل دینے اور نافذ کرنے کی حکومت استعداد اور معاشی و معاشرتی تانے بانے سے متعلق اداروں کے لیے شہریوں اور ریاست کا احترام شامل ہے۔

عالمی بینک 200 سے زائد معیشتوں کے لیے نظم و نسق کے چھ اظہاریے تیار کرتا ہے جو یہ ہیں: (1) اظہار کا حق اور محاسبہ، (2) سیاسی استحکام اور تشدد کی عدم موجودگی، (3) حکومت کا بااثر ہونا، (4) ضوابط کا معیار، (5) قانون کی حکمرانی، اور (6) بدعنوانی پر کنٹرول۔

عالمی بینک [http://info.worldbank.org/governance/wgi/index.asp]

نظم و نسق

حتمی تجزیے میں تمام مذکورہ معاشی مسائل کا ناتا ناقص نظم و نسق سے جوڑا جا سکتا ہے (**باکس 1.1**)۔ معاشی پالیسیاں بے اثر رہتی ہیں تاوقتیکہ ساتھ ہی ادارے بھی مضبوط نہ ہوں اور دیگر سرکاری پالیسیوں سے ہم آہنگ نہ ہوں۔[10]

شکل 1.1: نظم و نسق اور معاشی کارکردگی

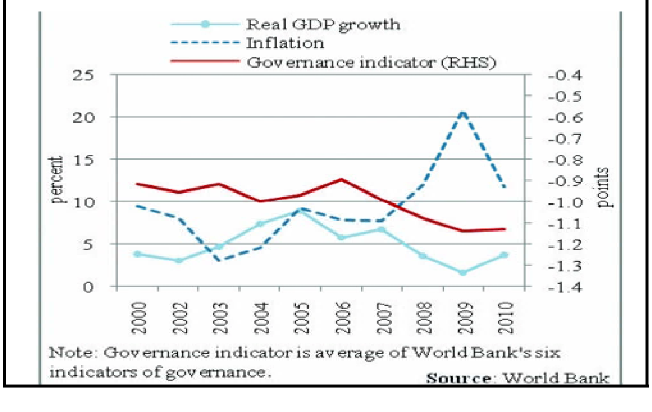

مختلف ممالک کے تقابل سے ظاہر ہے کہ حکومت کی ہر سطح پر ادارہ جاتی کمزوریاں، عدلیہ، سول سروسز، قانون نافذ کرنے والے ادارے، ضوابطی ادارے اور نگرانی و احتساب کی ایجنسیاں ناقص معاشی نمو کی براہ راست ذمہ دار ہوتی ہیں۔[11] یہ ادارے مل جل کر کسی معیشت کے نظم و نسق کا ڈھانچہ ہوتے ہیں۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے، حالیہ برسوں میں نظم و نسق کے بیشتر اظہاریے

7 گرانی کے یہ اعداد و شمار صارف اشاریہ قیمت کے نئے ڈیٹا (م س 08ء = 100) پر مبنی ہیں اور غذائی گرانی ان تین گروپوں کے اشاریوں کے بہ وزن اوسط سے نکالی گئی ہے: (الف) غذا اور غیر الکحلک مشروبات، (ب) الکحلک مشروبات اور تمباکو، اور (ج) ریستوران اور ہوٹل۔

8 دیکھئے تیسرا باب۔

9 اگر بجلی ساز کمپنیوں کا جائزہ لیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ استعداد کا استعمال تنصیب شدہ استعداد کے 50 سے 60 فیصد تک ہوسکتا ہے۔

10 ہال، آر ای اور سی آئی جونز (1999ء)، ?Why Do Some Countries Produce So Much More Output per Worker than Others کوارٹرلی جرنل آف اکنامکس، 114:1۔

11 منصوبہ بندی کمیشن پاکستان (2011ء)، سالانہ منصوبہ 12-2011ء، پہلا باب، صفحہ 3۔

کمزور پڑے ہیں (**شکل 1.1**)۔[12] اداروں کی کمزوریوں نے کاروباری ماحول کو بھی خراب کیا ہے۔ عالمی بینک کی جاری کردہ حالیہ تحقیق میں 183 ملکوں میں کاروبار کرنے کی آسانی کا جائزہ لیا گیا۔ اس میں پاکستان کا نمبر 96 سے کم کر کے 105 ہو گیا۔ جو دس مخصوص پیمانے مقرر کیے گئے تھے ان میں پاکستان کی کارکردگی بجلی کی دستیابی (166 ویں نمبر پر)، عملاً ٹیکس ادا کرنے والے شہریوں (158 ویں نمبر پر) کے حوالے سے ناقص رہی۔[13] پاکستان کی سیاسی قیادت کو چاہیے کہ زوال کو روکنے کے لیے معتبر اقدامات کرے۔

شکل 1.2: (الف) حقیقی جی ڈی پی نمو **(ب) گرانی کے رجحانات**

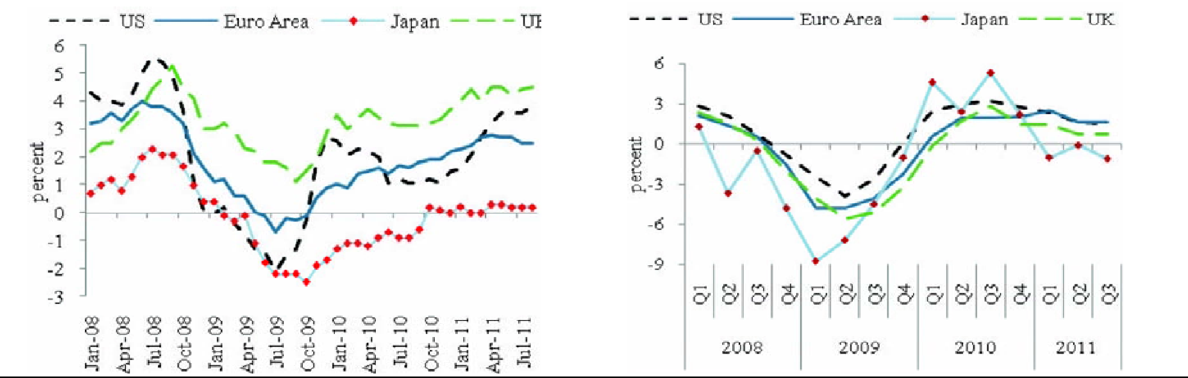

1.2 عالمی معاشی حالات

اس دستاویز کی تیاری کے وقت عالمی معیشت ایک اور کساد بازاری کے دہانے پر ہے۔ یہ کساد بازاری سب پرائم مارگیج بحران سے بھی زیادہ شدید ہو سکتی ہے کیونکہ اس کا اصل سبب ناپائیدار خسارے پورے کرنے کے لیے او ای سی ڈی کے ممالک کا منڈی سے قرض لینا ہے۔ موجودہ مسئلہ یورپ کے ذیلی یعنی نسبتاً کم ترقی یافتہ ملکوں میں پیدا ہوا ہے اور یونان، واقعی امکان ہے کہ اٹلی، اسپین، پرتگال اور آئرلینڈ ریاستی نادہندگی سے دوچار ہو جائیں۔

جیسا کہ **شکل 1.2** میں دکھایا گیا ہے، تنظیم برائے اقتصادی تعاون و ترقی (او ای سی ڈی) میں ہر جگہ جی ڈی پی نمو کم ہو گئی ہے جبکہ گرانی مسلسل بڑھ رہی ہے۔ شرح سود پہلے ہی تقریباً صفر کی سطح پر ہے، اس لیے امریکہ اور برطانیہ میں مرکزی بینک قدری نرمی کا عمل (یعنی کرنسی نوٹ چھاپنا) جاری رکھے ہوئے ہیں اور بینکوں کو قرض دینے اور صارفین کو خرچ کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ تاہم چونکہ افراد بھی ریاستوں کی طرح قرضے کم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اس لیے اس اضافی سیالیت کا مطلوبہ اثر نہیں ہو رہا۔ وجہ یہ ہے کہ کنبے خرچ کرنے کے بجائے اپنے قرضے اتارنے کو ترجیح دے رہے ہیں۔

یورپ کے مسئلے کا ابھی تک کوئی معتبر حل نہیں وضع کیا جا سکا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرکزی بینک کے حکومت کی مالکاری میں کردار کے حوالے سے جرمنی کا ابھی تک بقیہ یورپ (اور امریکہ) سے اختلاف ہے۔ امریکہ اور برطانیہ نے قدری نرمی کا جو سلسلہ اختیار کیا ہے اسے ای سی بی نے ملائمت سے مسترد کر دیا ہے، جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جرمنی گرانی کی مالکاری کو پسند نہیں کرتا اور پہلی جنگ عظیم کی بے پناہ گرانی کی تلخ یادیں بھی ہیں۔ مزید برآں اگرچہ کمرشل بینکوں نے یونان کا 50 فیصد کمرشل قرضہ معاف کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی ہے تاہم مالیاتی سخت گیری نافذ کرنا زیادہ مشکل ثابت ہو رہا ہے۔ حال ہی میں یونان اور اٹلی کی قیادت کے مستعفی ہونے سے سخت گیری کی سیاسی قیمت ظاہر ہوتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ توازن قائم رکھنے کے لیے کمرشل قرض گاروں کو رسک پریمیم بڑھانے سے روکنا تقریباً ناممکن ہے، جبکہ عوام مالیاتی سخت گیری کو قبول کرنے پر آمادہ ہیں۔

اس امر کے پیش نظر او ای سی ڈی کے مرکزی بینکوں نے غیر روایتی پالیسیاں اختیار کی ہیں۔ امریکی ریزرو بینک اور بینک آف انگلینڈ دونوں نے 2013ء تک شرح سود کو تقریباً صفر پر رکھنے کا وعدہ کیا ہے، اور اس بارے میں کچھ نہیں سوچا کہ قدری نرمی کی لہروں کے نتیجے میں گرانی کا کیا حشر ہو گا۔ علاوہ ازیں چونکہ بیروزگاری کی شرح نیچے کھسک ہی نہیں رہی اور محروم رہ جانے والے اسے طبقاتی جدوجہد کے طور پر دیکھ رہے ہیں (مثلاً وال اسٹریٹ پر قبضہ کرو تحریک)، اس لیے او ای سی ڈی کی حکومتیں پر زبردست دباؤ ہے کہ نمو (اور روزگار

12 کوفمین، ڈی، اے کرے، اور ایم ماسٹروزی (2010ء)، ورلڈ وائیڈ گورننس انڈیکیٹرز: اے سمری آف میتھوڈولوجی، ڈیٹا اینڈ انالیٹکل ایشوز، ورلڈ بینک پالیسی ریسرچ ورکنگ پیپر نمبر 5430۔

13 http://www.doingbusiness.org/data/exploreeconomies/pakistan/

شکل 1.3: حقیقی جی ڈی پی نمو

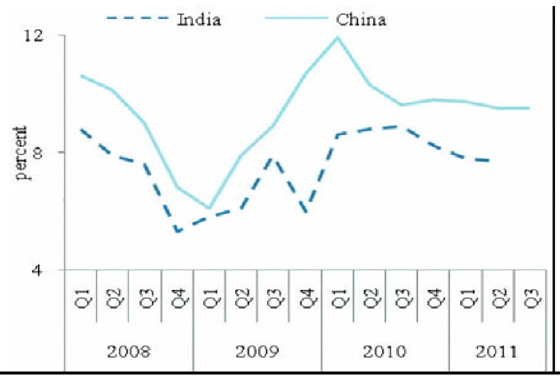

کی تخلیق) کو آگے بڑھائیں چاہے اس کے نتیجے میں گرانی میں اضافہ ہوجائے۔ ہماری رائے میں یوروزون اور امریکہ کے پاس مالیاتی سخت گیری کو حدود میں رکھنے اور اگلے چند سال تک ملکی گرانی میں اضافے کو قبول کرنے کے سوا چارہ نہیں۔

دوسری طرف ایشیا کی معیشت بدستور ترقی کی جانب گامزن ہے۔ چین اور بھارت صف اوّل میں ہیں (**شکل 1.3**) اور کچھ امید ہے کہ شاید ایشیا نے تنظیم برائے اقتصادی تعاون و ترقی سے کچھ فاصلہ پیدا کرلیا ہے اور اب تک کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔ تاہم اگر او ای سی ڈی میں کساد بازاری جاری رہی (جس کا امکان ہے) تو ایشیا کے برآمدات پر انحصار کرنے والے معاشی دیوؤں کے نمو کے امکانات مدھم پڑ سکتے ہیں۔

2008ء کی کساد بازاری سے موازنہ مفید ہوگا۔ 2008/9ء میں مسموم (toxic) مارگیجز بینکوں میں خطرے سے انتہائی گریز کا باعث بنے تاہم یورپ کے ذیلی ممالک کے جاری کردہ ریاستی بانڈز اب اتنی ہی عدم دلچسپی پیدا کررہے ہیں۔ ہمارے خیال میں اس بحران کے دیگر شعبوں پر اثرات مزید بدتر ہوسکتے ہیں۔ تجزیہ کار صرف دیوالیہ ملکوں کا جائزہ نہیں لے رہے، بلکہ ان ملکوں پر بھی نظر رکھے ہوئے ہیں جو سیالیت کے مسئلے سے دوچار ہیں۔ مؤخرالذکر شرح قرض گاری کو بڑھتے دیکھ رہے ہیں جس کی وجہ سے وہ قرضے کے جال میں پھنس رہے ہیں، اور اس سے قرض گیری کی لاگت مزید بڑھ رہی ہے۔

اس سے بھی بدتر صورتحال یہ ہے کہ استحقاقی پروگراموں (مثلاً بیمہ پنشن، ریاستی خرچ پر چلنے والا علاج معالجہ، تعلیم وغیرہ) کے بھاری واجبات بھی افق پر نمودار ہونے لگے ہیں۔ مغرب کے پالیسی ساز اور رائے ساز ادارے ریاستی، کارپوریٹ، بینکوں اور کنبوں کے ماضی کے جمع شدہ قرضوں اور ان کی آئندہ کی حرکیات سے نبردآزما ہیں۔ امریکہ میں ری پبلیکنز اور ڈیموکریٹس میں تلخ بحث کا آغاز ہوگیا ہے جس کے نتیجے میں ستمبر 2011ء میں امریکہ کے ریاستی قرضے کا درجہ کم کردیا گیا۔ یہ بنیادی مسئلہ کہ حکومت کا معاشی/سماجی خدمات کی کسی قدر فراہمی میں کردار ہونا چاہیے، جمہوری نظام میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ او ای سی ڈی میں بڑھتی ہوئی عمر کی آبادی میں اضافہ ہورہا ہے اور یہ لوگ اپنے مستقبل کو مالی تحفظ دینا چاہتے ہیں۔ 2008ء میں یہ مسائل موجود نہ تھے جس کی وجہ سے شاید تیزی سے پالیسیوں پر عملدرآمد ممکن ہوا۔ نکتہ یہ ہے کہ موجودہ مسئلے کا تصفیہ آسان نہ ہوگا اور اس بنا پر بچاؤ کا منصوبہ تاخیر کا شکار ہوگا۔

یہ سب اپنی جگہ پر لیکن 2008ء کے قرضے کے بحران سے مشابہتیں بھی پریشان کن ہیں۔ سب سے بڑے عالمی بینک کمزوری کا شکار ہیں۔ درجہ بندی ایجنسیاں ان کی اہلیت قرضہ کی ریٹنگ کم کررہی ہیں۔ منڈی میں گھبراہٹ کو کم کرنے کے لیے انہیں فوری سرمائے کی ضرورت ہے اور یہ خدشہ ہے کہ اگر یونان بے ہنگم نادہندگی کا شکار ہوگیا تو بینک ایک دوسرے کو قرضے دینے بند کردیں گے، جس سے بحر اوقیانوس کے دونوں جانب قرضے کا ایک اور بحران جنم لے سکتا ہے۔

یوروزون کے مسئلے کی جڑ زری یونین ہے۔ زری یونین میں ایک مشترکہ زری پالیسی سب سے ٹھوس چیز ہوتی ہے۔ زری یونین کے لیے رکن ممالک کے درمیان مربوط مالیاتی پالیسی بھی درکار ہوتی ہے جو فقط سالانہ مالیاتی خسارے کی بالائی حدود متعین کرنے سے آگے کی چیز ہے۔ یہ مالیاتی ربط بالکل غائب تھا کیونکہ یورو پہلی بار متعارف کرایا گیا تھا اور بعد میں مالیاتی خسارے کی بالائی حدود کی کھل کر خلاف ورزی ہوتی رہی۔ موجودہ بحران کے ظاہر ہونے میں وقت لگا تاہم اس وقت تک کوئی مناسب ردعمل سامنے نہیں آیا جب تک منڈی میں گھبراہٹ کے آثار نمایاں نہ ہوگئے۔

آئندہ مالیاتی طور پر محتاط ممالک (مثلاً جرمنی) دیگر ممالک (مثلاً یونان) کو بیل آؤٹ کرنے میں پس وپیش کررہے ہیں جس سے فیصلہ کن اقدام کرنے کی یورپ کی صلاحیت متاثر ہورہی ہے۔ 2008ء کے برخلاف جب فیڈرل ریزرو اور امریکی حکومت نے فوری اور سوچے سمجھے (بعض اوقات متنازع) اقدامات کرکے منڈی کو سہارا دیا، یورپ کی قیادت کی

جانب سے بچاؤ کے ایک معتبر منصوبے کی آمد پہلے ہی تاخیر کا شکار ہو چکی ہے اور تمام آثار بتاتے ہیں کہ یہ ہچکچاہٹ قائم رہے گی۔ اس صورتحال کے پیش نظر او ای سی ڈی کا مستقبل تابناک نہیں دکھائی دیتا۔

شکل 1.4: اجناس کی بین الاقوامی قیمتیں

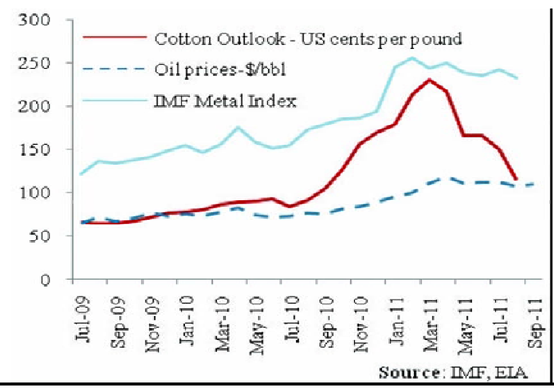

Source: IMF, EIA

بیرونی شعبہ

دنیا کی یہ صورتحال دیکھ کر پاکستان کے تجزیہ کاروں کا تشویش میں مبتلا ہونا قابل فہم ہے۔ فوری پریشانی یہ ہے کہ ہماری برآمدات کی رفتار آہستہ ہو سکتی ہے کیونکہ پاکستانی اشیا زیادہ تر امریکہ اور یورپی یونین جاتی ہیں۔ ہم اس خطرے سے منکر نہیں ہو سکتے لیکن یہ کہیں گے کہ صورتحال اتنی پریشان کن نہیں جتنی پہلی نظر میں معلوم ہوتی ہے۔ پاکستان کے پُرخطر بیرونی خساروں کے ٹریک ریکارڈ کے پیش نظر تجزیہ کار اور منڈی کے متعلقہ افراد بدترین کی توقع کر رہے ہیں۔

ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ م س11ء میں پاکستان کا جاری حسابات کا توازن چھ سال میں پہلی بار مثبت ہوا تھا اور درآمدی کور ابھی تک 26.6 ہفتے ہے جو مناسب ہے۔ تجارتی خسارہ کم ہو کر 10.5 ارب ڈالر ہو گیا۔ یہ کارکنوں کی ترسیلات کی مضبوط نمو کی وجہ سے ہوا، جو 11.2 ارب ڈالر کی ریکارڈ سطح پر پہنچ گئیں۔ م س12ء کے لیے توقعات کے حوالے سے، خصوصاً عالمی کساد بازاری کے تناظر میں، مندرجہ ذیل نکات کو مدنظر رکھنا چاہیے:

پاکستان کی برآمدات زیادہ تر کم تیار شدہ ٹیکسٹائل ہیں جن کی طلب کم ہونے کا امکان اس لیے نہیں کہ وہ آمدنی کے لحاظ سے غیر لچکدار ہیں یعنی آمدنی گھٹنے بڑھنے سے ان کی طلب تبدیل نہیں ہوتی، بلکہ اگر کپاس کی قیمتیں کم ہوتی رہیں تو قیمتوں کے اثر سے پاکستان کی برآمدی آمدنی زیادہ متاثر ہو سکتی ہے۔ تاہم جیسا کہ **شکل 1.4** میں دکھایا گیا ہے، ممکن ہے قیمت کا منفی اثر آئندہ اتنا نمایاں نہ ہو کیونکہ موجودہ بین الاقوامی نرخ اسی مقام پر ہیں جہاں وسط 2010ء میں تبدیلی کے آغاز سے پہلے تھے۔

چونکہ ڈالر کو ہر جگہ محفوظ ترین کرنسی سمجھا جاتا ہے (امریکہ کو درپیش معاشی چیلنجوں کے باوجود)، اس لیے ہماری رائے یہ ہے کہ دوسری سخت کرنسیوں کے مقابلے میں امریکی ڈالر کی قدر کم نہیں ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر او ای سی ڈی میں پھر کساد بازاری آئی تو امکان ہے کہ تیل کی قیمتیں (جو امریکی ڈالر میں متعین کی جاتی ہیں) گر جائیں گی جس سے م س 12ء کے بقیہ عرصے کے دوران پاکستان کے توازن ادائیگی کو کچھ سہارا ملے گا۔

حالیہ مہینوں میں کارکنوں کی ترسیلات مضبوط رہی ہیں جن کے بارے میں کچھ حلقوں کا دعویٰ ہے کہ ایک اور کساد بازاری کی زد میں آجائیں گی۔ ہمارے خیال میں سرکاری ترسیلات کی نمو کی ایک کلیدی وجہ غیر رسمی طریقوں کے مقابلے میں بینکاری راستوں کا بڑھتا ہوا استعمال ہے۔ اسے 2010ء کے اواخر میں ایران کے خلاف امریکی پابندیوں سے، جن میں خلیج تعاون کونسل سے سرمائے کی آمد و رفت پر توجہ مرکوز کی گئی تھی، بڑھاوا ملا۔ کمرشل بینکوں کے ذریعے کارکنوں کی زیادہ سے زیادہ ترسیلات لانے کے لیے متوازی بازار مبادلہ پر کڑی نظر رکھنی ہوگی تاکہ غیر رسمی اضافت کم رہے۔

ایک زیادہ غیر یقینی مسئلہ یہ ہے کہ جب عالمی کساد بازاری جڑ پکڑ لے گی تو بیرون ملک مقیم پاکستانیوں پر کیا گذرے گی۔ ترقی یافتہ ممالک میں چھانٹیاں ہونے سے روزگار سے محرومی اور عالمی بینکوں اور مالی اداروں کی مخصوص کمزوری کے حوالے سے تشویش کے ساتھ یہ فکر ہے کہ بیرون ملک مقیم پاکستان واپس آسکتے ہیں۔ اس امکان میں مثبت پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ پس انداز کی ہوئی رقوم لائیں گے تاہم یہ وقتی اضافہ مستقبل میں کم ترسیلات سے غیر مؤثر ہو سکتا ہے۔

یہ سب نکات اپنی جگہ لیکن پاکستان کا معاشی مستقبل عالمی معیشت کے بالکل مخالف سمت میں نہیں۔ او ای سی ڈی میں کساد بازاری سے براہ راست بیرونی سرمایہ کاری متاثر ہوگی اور

ملکی شرح سود میں حالیہ کمی سے معین آمدنی کے بہاؤ کی حوصلہ شکنی ہوسکتی ہے۔ واحد باعث اطمینان امر یہ ہے کہ یہ رقوم کم ہونے کا امکان ہے اور ان کا پاکستان کے بیرونی شعبے پر سنگین اثر نہیں پڑنا چاہیے۔

زیادہ تشویشناک معاملہ بین الاقوامی مالی اداروں سے پاکستان کا تعلق ہے کیونکہ آنے والی سرکاری رقوم نجی سرمائے کے بہاؤ سے زیادہ ہیں۔ جیسا کہ اگلے سیکشن میں کہا گیا ہے، جاری حسابات کے توازن کے لیے اسٹیٹ بینک کی پیش گوئی یہ ہے کہ جی ڈی پی کے 1.5 سے 2.5 فیصد کے درمیان خسارہ ہوگا۔ مسئلہ جاری حسابات کے حجم کا نہیں (جو گذشتہ برسوں کے مقابلے میں کم ہے) بلکہ فرق پورا کرنے کے لیے آنے والی رقوم کے کم ہونے کا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ عالمی معیشت کی آئندہ صورتحال تشویشناک ہے، تاہم یہ سمجھنے کی معقول وجوہ ہیں کہ پاکستان منفی اثرات سے زیادہ تر محفوظ رہے گا۔ پاکستان کے لیے جو منفی اثرات ہیں وہ جانے پہچانے ہیں اور ذرائع ابلاغ پر زیر بحث آتے ہیں لیکن ممکنہ مثبت اثرات پر کم بات کی جاتی ہے اور شاید صحیح طور پر ان کی تفہیم بھی نہیں کی جاتی۔

جدول 1.3: اہم معاشی اظہاریے

	م س 11ع	م س 12ء اہداف	م س 12ء اسٹیٹ بینک کی پیش گوئیاں
شرح نمو فیصد میں			
جی ڈی پی	2.4	4.2	3.0 - 4.0
گرانی بلحاظ صارف اشاریہ قیمت	13.7	12.0	11.5 - 12.5
زری اثاثے	15.9	-	12.0 - 13.0
ارب امریکی ڈالر			
ترسیلات	11.2	12.0	12.0-13.0
برآمدات (ایف او بی)	25.4	25.8	24.6 - 25.1
درآمدات (ایف او بی)	35.7	38.0	40.3 - 41.0
فیصد جی ڈی پی			
مالیاتی خسارہ	6.6	4.0	5.5 - 6.5
جاری حسابات کا خسارہ	-0.1	0.6	1.5 - 2.5

نوٹ: مالیاتی و جاری حسابات کے خسارے اور جی ڈی پی کے تناسبات کے اہداف م س 12ء کی بجٹ دستاویز میں نامیہ جی ڈی پی کی بنیاد پر ہیں جبکہ پیش گوئیاں سال کی متوقع (بلندتر) نامیہ جی ڈی پی کی بنیاد پر ہیں۔

ع: عبوری

1.3 مستقبل کے امکانات

م س 12ء کے آغاز سے قبل پالیسی سازوں نے کپاس کے مثبت امکانات کی بنیاد پر 4.2 فیصد معاشی نمو، اشیا سازی کے شعبے کی بحالی اور توانائی کی قلت سے نمٹنے کے لیے پالیسی اقدامات کی پیش گوئی کی تھی۔ تاہم سیلاب سے سندھ کے نصف زیر کاشت علاقے کو نقصان پہنچنے کے بعد زرعی امکانات پر پھر منفی اثر مرتب ہوا ہے۔ گندم کی فصل کے لیے کھاد کی فراہمی کے بارے میں بھی کچھ غیر یقینی کیفیت پائی جاتی ہے۔[14]

اس صورتحال کے پیش نظر ہماری پیش گوئی ہے کہ جی ڈی پی نمو 3 تا 4 فیصد کے درمیان رہے گی۔ 2010ء کے سیلاب سے جس طرح نمٹا گیا اس سے بھی کچھ تسلی ہوتی ہے (**جدول 1.3**)۔

بہرکیف ہم سمجھتے ہیں کہ م س 12ء میں حکومت پھر 4 فیصد مالیاتی خسارے کا ہدف پورا نہیں کرسکے گی۔ اس حوالے سے اخراجات اور محاصل دونوں کے بارے میں شکوک ہیں۔ سندھ میں سیلاب اور پنجاب میں ڈینگی بخار کی طویل لہر نے مالیاتی بوجھ غیر متوقع طور پر بڑھا دیا ہے۔ مزید برآں، صوبائی اور وفاقی حکومتیں دونوں کے اس مالی سال میں کفایت شعار ہونے کا امکان کم ہے، نہ صرف اس لیے کہ انتخابات قریب ہیں بلکہ اس لیے بھی صوبائی حکومتیں اپنے مالیاتی امور کی زیادہ ذمہ داری لے رہی ہیں۔ ہمارے خیال میں آئی ایم ایف پروگرام کی عدم موجودگی سے اخراجات قابو سے باہر ہوسکتے ہیں جبکہ اضافی محاصل کے لیے اقدامات کے امکانات مدھم ہیں۔

غیر ٹیکس محاصل کا ہدف (وفاقی بجٹ کے مطابق) حاصل کرنے کا امکان بھی بوجوہ کم ہے: (الف) امریکہ سے پاکستان کے تعلقات کشیدہ ہیں اس لیے ایک ارب 25 کروڑ ڈالر کا متوقع اتحادی سپورٹ فنڈ مزید مشکوک ہوگیا ہے، (ب) ڈسکاؤنٹ ریٹ میں حالیہ کمی کے بعد اسٹیٹ بینک کا منافع بجٹ میں درج 200 ارب روپے سے کم ہوسکتا ہے، اور (ج) تھری جی ٹیلی کام لائسنسوں کی نیلامی پر، جس سے م س 12ء میں 75 ارب روپے حاصل ہونے کی توقع تھی، برائے نام پیش رفت ہوئی ہے۔ چنانچہ اسٹیٹ بینک کی پیش گوئی ہے کہ مالیاتی خسارہ جی ڈی پی کے 5.5 سے 6.5 فیصد کے درمیان رہے گا اور رجحان اوپر کی جانب زیادہ ہوگا۔

14 چونکہ موسم سرما میں گیس کی طلب کا دباؤ ہوتا ہے اس لیے گیس کو کھاد کی ملکی پیداوار کے لیے استعمال کرنا مشکل ہوسکتا ہے۔ پس حکومت کو یوریا درآمد کرنا ہوگا۔ تاہم پاکستانی بندرگاہوں پر نقل و حمل کی سہولتوں کے پیش نظر خطرہ ہے کہ کھیتوں تک یوریا کی فراہمی میں تاخیر ہوگی۔ اس طرح گندم کی پیداوار پر منفی اثر پڑ سکتا ہے۔

تمام متعلقہ فریق یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر پائیدار نمو درکار ہے تو وسیع البنیاد مالیاتی اصلاحات کی ضرورت ہے۔ بنیادی اجزا وہی ہیں: (الف) ٹیکس بیس وسیع کرنے کا سیاسی عزم تا کہ ٹیکس نہ دینے والے یا کم دینے والے شعبوں (زراعت اور خدمات) کو ٹیکس جال میں لایا جاسکے، (ب) ٹیکس اکٹھا کرنے کی مشینری کو ٹھیک کیا جائے تا کہ پیسہ ضائع نہ ہو، (ج) بجلی، ایندھن اور زرعی اجناس پر زراعانت کا خاتمہ جبکہ زراعانت کا رخ ان گروپوں کی طرف موڑا جائے جن کے پاس کم وسائل ہیں،[15] اور (د) سرکاری شعبوں کے کاروباری اداروں کی تشکیل نو، اور بے پناہ ماہانہ اخراجات کی روک تھام پر خاص زور جو حکومت کے مالیاتی بوجھ میں اضافہ کر رہے ہیں۔

ان مسائل کی سیاسی جہت سے انکار نہیں کیا جاسکتا جس سے ہمارا یہ نقطہ نگاہ مزید تقویت پاتا ہے کہ پاکستان کے مالیاتی معاملات کو درست کرنے کے لیے مشکل سیاسی فیصلوں کی ضرورت ہے۔ ضرورت سے زائد عملہ، بدعنوانی اور ضیاع اور پی ایس ایز میں یونینز کی سیاست زدگی، ان سب نے مل کر ماحول کو دشوار بنا دیا ہے۔ لیکن بالکل یہی مسائل 1990ء کی دہائی میں قومیائے گئے کمرشل بینکوں کے لیے وبال بنے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود ان کی کامیابی سے تشکیل نو اور بالآخر نجکاری کی گئی۔ ہمارے خیال میں پی ایس ایز کو پالیسی ایجنڈے پر لانے کی ضرورت ہے، کم از کم معتبر انتظامی ٹیمیں اور مرحلہ وار اصلاحات کا ایجنڈا تشکیل دینا اور مشتہر کرنا ضروری ہے۔

ہماری رائے میں پالیسی ساز ایک جامع وسط مدتی مالیاتی اصلاحات کا ماسٹر پلان بنانے پر غور کر سکتے ہیں، جو ماضی قریب کے تلخ اسباق کی بنیاد پر مرحلہ وار اور ترتیب وار ہو۔ اس ماسٹر پلان میں مربوط دستاویزی کارروائی، نگرانی کے ساتھ شفاف وصولی، تمام کمرشل کاروباری اداروں کو ٹیکس جال میں لانے کا مساویانہ منصوبہ، گھاٹے میں جانے والے پی ایس ایز کی تشکیل نو اور نفاذ کا معتبر طریقہ کار شامل ہونا چاہیے۔ ان اصلاحات پر عملدرآمد آسان نہ ہوگا لیکن اس اقدام کو ترجیحی بنیاد پر شروع کرنے اور کھلی (اور چھپی) مزاحمت پر قابو پانے کے پالیسی عزم سے نیت کا اظہار ہوگا اور اس کاوش کے کامیاب ہونے کی زیادہ امید ہوگی۔ پاکستان کی معیشت کی موجودہ حالت ایسی ہے کہ حیص بیص کی گنجائش نہیں۔

اگر ابتدائی اقدامات جلد کر لیے جائیں تب بھی یہ اتنا بڑا کام ہے کہ نتائج مستقبل قریب میں برآمد نہیں ہوں گے۔ چنانچہ م س 12ء میں مالیاتی خسارے کو پورا کرنا بہت مشکل ہوگا۔ ایشیائی ترقیاتی بینک اور عالمی بینک سے گفت وشنید کرنے میں مدد دینے کے لیے آئی ایم ایف نے تک لیٹر آف کمفرٹ جاری نہیں کیا ہے۔ چونکہ بیرونی فنڈنگ کے امکانات مدھم ہیں اس لیے پھر ملکی وسائل پر سارا بوجھ پڑے گا۔ پالیسی ریٹ میں حالیہ کمی کے باوجود اسٹیٹ بینک حکومت پر انحصار کرتا رہے گا کہ وہ مرکزی بینک سے اپنی قرض گیری کی بالائی حد پر قائم رہے۔ حقیقت پسندی کا تقاضا ہے کہ کبھی کبھار اس حد کی خلاف ورزی ہوگی تاہم ہم حکومت پر زور دیں گے کہ وہ اضافی غیر بینک مالکاری کے حصول کے لیے پہلے سے کوشش کرے اور بیرونی مالکاری کے غیر روایتی ذرائع کا بھی جائزہ لے۔

اگرچہ او ای سی ڈی کی سست نمو کی بنا پر تیل اور اجناس کی بین الاقوامی قیمتیں کم ہوسکتی ہیں تاہم ہم سمجھتے ہیں کہ کئی عوامل کی بنا پر گرانی کا دباؤ برقرار رہنے کا امکان ہے: (1) گرانی بلحاظ صارف اشاریہ قیمت کا محرک غذائی گرانی رہی ہے اور اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے ضروری نہیں کہ زرعی پالیسی مناسب طریقہ ہو، (2) گرانی کا نفوذ (صارف اشاریہ قیمت باسکٹ میں دو ہندسی گرانی والی اشیا کی تعداد) بڑھ گیا ہے اور غذا و توانائی سے دیگر اشیا کی طرف منتقل ہوگیا ہے،[16] اور (3) پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں حالیہ اضافہ غذائی اور غیر غذائی اشیا دونوں پر اثر انداز ہوگا۔ چنانچہ اسٹیٹ بینک کو توقع ہے کہ گرانی م س 12ء کے دوران 11.5 اور 12.5 فیصد کی حدود میں رہے گی جو 12 فیصد کے سالانہ منصوبے کے ہدف کے آس پاس ہے۔

زیادہ تشویش یہ ہے کہ شعبہ توانائی کے لیے کوئی وسط مدت تا طویل مدت حکمت عملی موجود نہیں۔ گردشی قرضے کا مسئلہ حل کرنے کے لیے حکومت کی حالیہ کوشش قابل تعریف ہے اور اس سے مالکاری دستیاب ہوسکتی ہے اور استعداد کے استعمال میں بہتری آسکتی ہے۔ تاہم درآمد شدہ فرنس آئل پر پاکستان کے بڑھتے ہوئے انحصار اور بیس لوڈ توانائی کی پیداوار کے پیش نظر حکومت کو صرف ہنگامی اقدامات تک محدود نہیں رہنا چاہیے۔

15 زراعانت دینے کے بعد ختم کرنا مشکل ہوتا ہے جب تک اس پر مختلف فریقوں کا اتفاق نہ ہو۔ زراعانت سے مستفید ہونے والے مراعات یافتہ اور غریب لوگوں میں امتیاز کو نمایاں کرنے میں ذرائع ابلاغ کا کردار بھی بہت اہم ہے۔

16 ممکنہ مثبت پہلو یہ ہے کہ غیر غذائی غیر توانائی اشیا سے باسکٹ کی بقیہ اشیا کی جانب منتقلی کا عمل محدود ہے۔

ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ توانائی کی قلت کے معاشی نقصانات کم کرکے بیان کیے جاتے ہیں۔ سب سے بڑا اثر چھوٹے اور درمیانے حجم کے اشیا ساز یونٹوں اور خدمات فراہم کرنے والوں پر پڑتا ہے، جن کا موزوں دستاویزی ریکارڈ نہیں رکھا جاتا اور اس لیے جی ڈی پی کے اعداد وشمار میں اظہار نہیں ہوتا۔ مزید یہ کہ روزگار کا زیاں شدید تر ہو جاتا ہے کیونکہ ان یونٹوں میں لیبر کا ارتکاز زیادہ ہے۔ توانائی کی قلت کی وجہ سے ملک کے بہت سے حصوں میں معاشرتی وسیاسی بے چینی اچھا شگون نہیں۔ متبادل توانائی کے ذرائع (جیسے ہائیڈل اور کوئلہ) کے حامل بڑے پیمانے کے منصوبے شروع کیے جانے چاہئیں۔

جہاں تک زری پہلو کا تعلق ہے، م س12ء میں ڈسکاؤنٹ ریٹ میں تیزی سے کمی مارکیٹ کے لیے غیر متوقع تھی۔ گرانی میں کسی قدر کمی اور بینکوں کی جانب سے حکومت کے پاس رقوم رکھوانے کے بڑھتے ہوئے رجحان کی بنا پر نجی شعبے کے لیے قرضے کی گنجائش جس طرح ختم ہو رہی تھی اس وجہ سے پالیسی مداخلت درکار تھی۔ اگرچہ اسٹیٹ بینک نے ابھی تک اس امر کو یقینی بنانے کے لیے کڑی نگاہ رکھی ہوئی ہے کہ قرض گاری کی شرحیں حقیقی لحاظ سے منفی نہ ہو جائیں، تاہم بقیہ دنیا کی طرح نمو میں جمود اور بڑھتی ہوئی بیروزگاری پر ہمیں بھی تشویش ہے۔ اسٹیٹ بینک نے ایک اچھے موقع کی نشاندہی کی کہ نجی سرمایہ کاری اور روزگار کی تخلیق کو مناسب اہمیت دی جائے۔ وفاقی بجٹ میں واپسی قرض کے بڑھتے ہوئے غلبے کو روکنے کی ضرورت بھی تھی۔

آخراً، پاکستان کے جاری حسابات کے توازن کے امکانات باعث تشویش ہیں لیکن کارکنوں کی بھرپور ترسیلات اور عالمی معیشت کی ممکنہ کساد بازاری کی بنا پر ہم پُر امید ہیں۔ اگرچہ م س12ء کے پہلے چار ماہ کے اعداد وشمار سے 1.6 ارب ڈالر کا جاری حسابات کا خسارہ ظاہر ہوتا ہے تاہم ہم اسے عارضی واقعات (تیل کی بھاری ادائیگیاں، ستمبر 2011ء میں ترسیلات میں موسمی وقفہ اور متوازی بازار مبادلہ میں سخت کرنسی کی قلت) پر محمول کرتے ہیں۔[17] آئندہ ہمیں جاری حسابات کا خسارہ جی ڈی پی کے 1.5 سے 2.5 فیصد کے درمیان رہنے کی توقع ہے جو ماضی کی کارکردگی کے مقابلے میں قدرے کم ہے۔ تاہم جاری حسابات کے اس خسارے کو پورا کرنا مشکل ہو سکتا ہے۔

ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ منڈی م س12ء میں پاکستان کے زرمبادلہ کے قرضوں کی ادائیگی کے حوالے سے ضرورت سے زیادہ شدید ردعمل ظاہر کر رہی ہے۔ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ آئی ایم ایف کے 8.9 ارب ڈالر کے ایس بی اے کی واپسی کی قسطیں رواں مالی سال میں شروع ہوں گی لیکن بیرون ملک جانے والی رقوم صرف 1.4 ارب ڈالر کی ہیں اور مالی سال کی دوسری ششماہی میں ہوں گی۔

17 عموماً عید کے بعد ترسیلات کی آمد میں کمی ہوتی ہے جو اس سال ستمبر میں دیکھا گیا تھا۔ مزید برآں ستمبر میں غیر رسمی اضافت میں بھی عارضی اضافہ ہوا جس سے ترسیلات کی حوصلہ شکنی ہوئی۔